ڈاکٹر جابر حسین
اسلام آباد ماڈل کالج برائے طلباء،F-10\4
اسلام آباد

تذکروں میں تنقید غزل :اشارات واصطلاحات

History of Urdu literary Criticism is treasured by "Tazkira's". Basically Tazkira means the book written on life and life events of poets. In this type of book the writer use to comment on the poet and his poetry as well. Author of Tazkira used critical hints and literary terms to express his critical views. These critical hints and literary terms are the initial treasure of classical Urdu criticism. The modern age of Urdu criticism bases upon this classical treasure of criticism.

This article explains the critical terms and hints regarding Urdu Ghazal. It also deals with the terminologies used by Urdu classic poets and authors. This article is helpful for the judgment of classical Urdu Ghazal and it also through light on the importance of critical hints given in tazkira's.

"تذکرہ" کے لغوی معنی ذکر، یاداشت، سرگزشت، سوانح عمری کے ہیں۔[۱]

ادبی اصطلاح میں تذکرہ اس تحریر کو کہا جاتا ہے جس میں شعراء کے مختصر حالاتِ زندگی، نمونہ کلام اور کلام پر مختصر تاثراتی نوعیت کا اظہار خیال کیا گیا ہو۔ ڈاکٹر انور سدید کے لفظوں میں:

اصطلاحی طور پر تذکرہ وہ کتاب ہے جس میں شعرا کے حالات لکھے جائیں۔۔۔انتخاب اشعار کے ساتھ شعرا کے نام اور ان کے مختصر کوائف حیات بھی جمع کیے گئے تو اس کو تذکرے کا نام دیا گیا اور جب اس انتخاب اشعار پر مرتب کی مدلل ذاتی رائے بھی دی جانے لگی تو تذکرے میں مصنف کا تنقیدی زاویہ بھی ابھرنے لگا۔[۲]

اردو غزل کی تنقید و تفہیم کے ابتدائی وارتقائی سفر کے حوالے سے تذکرہ نویسی کی روایت اور تذکروں کا کردار ناقابل انکار ہے۔اردو غزل کی ابتدائی تنقید و تنقیح کا عمل جہاں مشاعروں اوراساتذہ کی اصلاحات کے ذریعے انجام پاتا رہا وہاں تذکرہ نویسی کے رائج الوقت معیارات و رجحانات سے بھی بقدر ذوق و شوق استفادہ کیا جاتا رہا۔اردو تنقید بالعموم اپنے ابتدائی اسلوب ،اصطلاحات، افکار اور رجحانات و میلانات کے اعتبار سے عربی فارسی ادبی اسالیب و میلانات کی حامل رہی ہے۔اس کی دیگر متعدد وجوہات میں سے ایک بڑی اور بنیادی واضح وجہ تو یہ تھی کہ اردو کی ابتدائی تخلیقات اور تخلیق کار دونوں کے یہاں عربی فارسی کے ادبی ولسانی میلانات و معیارات کو بڑی اہمیت حاصل تھی۔ تنقیدی پیمانے چونکہ تخلیقات کے غالب عصری میلانات و نظریات سے جُڑے ہوتے ہے اس اعتبار سے اردو غزل

کے ابتدائی تنقیدی وارتقائی سفر میں عربی فارسی کے ادبی معیارات واصطلاحات کی کارفرمائی کوئی ناقابل فہم بات نہیں۔ اردو کی قدیم ادبی تخلیقات کی درست تفہیم وتعبیر تشریح کے لیے انہی معیارات واصطلاحات کا صحیح ادراک ازحد ضروری ہے۔

عربی، فارسی اور اردو میں قدیم اسلوب انتقاد کے مطابق ادبیات کو جانچنے اور پرکھنے کا دارومدار اصلاً تین علوم پر ہے یعنی معانی بیان اور بدیع۔ بعض نقاد عروض اور علم القوافی کے مطالعے کو بھی لازم قرار دیتے ہیں۔(۳)

اردو غزل کی ابتدائی تنقیدی صورت حال کے حوالے سے تذکروں کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے۔ اردو میں تذکرہ نویسی کی ابتدا فارسی تذکرہ نویسی کی روایت کے تتبع میں ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اردو تذکروں میں جو فنی اصطلاحات، الفاظ وتراکیب اور اسلوب نگارش حتی کلام کو پرکھنے کے جو معیارات وموازین اپنائے گئے اُن پر فارسی تذکرہ نویسی کی گہری چھاپ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔ اردو تذکرہ نویسوں نے دراصل معاشرے میں رائج ادبی ذوق وآگہی کے پیش نظر اپنے طور پر یہ "فرض کر لیا تھا کہ پڑھنے والے معانی، بیان اور بدیع کی مبادیات سے آگاہ ہیں۔"(۴) اسی لیے بیان وبدیع کی اصطلاحات واشارات کا بے دھڑک استعمال کر لیا۔ یہ اصطلاحات اُن کے اپنے زمانے کے ادبی عالم وقاری کے علم ومزاج کے عین مطابق تھیں۔ جوں جوں زمانہ بدلتا گیا اور برصغیر کے ادب وسماج میں عربی فارسی کی جگہ انگریزی نے لی، ان اصطلاحات واشارات کی معنویت بھی یہاں کے عربی وفارسی اور علم بیان وبدیع سے نابلد قاری کے لیے مبہم، نامانوس، بے مفہوم اور بے سود بنتی گئی۔

اس بات کو تسلیم کرنے میں قطعاً کوئی باک نہیں کہ ان تذکروں میں شاعر کے فکر وخیال، جذبہ واحساس اور سماجی وسیاسی ومعاشی حالات وتغیرات میں کارفرما عوامل واسباب کے فنی وتخلیقی ادراک واظہار کی نوعیت وکیفیت کو اُس اہمیت ونظر کے ساتھ دیکھنے کا رجحان نظر نہیں آتا جو تنقید کا ایک نمایاں اور اہم پہلو بھی ہے اور منصب بھی۔

اردو تنقید غزل کے سفر کو سمجھنے میں جو تذکرے کسی نہ کسی زاویے سے معاونت فراہم کرتے ہیں ان میں درج ذیل تذکرے ناقابل فراموش ہیں: میر تقی میر کا "نکات الشعرا" (۱۷۵۲ء)، میر حسن کا "تذکرہ شعرائے اردو" (۱۷۷۷ء)، غلام ہمدانی مصحفی کا "تذکرۂ ہندی گویاں" (۱۷۹۴ء)، قیام الدین قائم چاندپوری کا "مخزن نکات" (۵۵/۱۹۵۴ء)، لچھمی نرائن شفیق کا "چمنستان شعرا" (۱۷۷۴ء)، مصطفی خان شیفتہ کا "گلشن بے خار" (۱۸۴۵ء)، حکیم قدرت اللہ قاسم کا "مجموعہ نغز" (1807ء)، مولوی کریم الدین کا "طبقات شعرائے ہند" (1848ء) حکیم فصیح الدین رنج کا "بہارستانِ ناز" (۱۸۴۸ء)، مرزا علی لطف کا "گلشن ہند" اور اردو شاعرات کا اولین تذکرہ جو حکیم فصیح الدین رنج نے "بہارستان ناز" (1864ء) کے نام سے تحریر کیا۔

ان تذکروں میں تنقید کی جو صورت سامنے آئی ہے وہ تاثراتی وذوقی ہونے کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویس کی ذاتی پسند وناپسند پر مشتمل ہے۔ اس ضمن میں "گلشن بے خار" کے مصنف نواب محمد مصطفی خان شیفتہ کا یہ نقطہ نظر نہایت قابل توجہ جو انھوں نے اپنے تذکرے کے مقدمے میں بیان کیا ہے۔

اساتذہ کے دواوین کو دقت نظر اور نگاہ انصاف کے ساتھ مطالعہ کیا گیا اور ان سے انتخاب لیا گیا۔ جن کے دیوان مل نہ سکے ان کے افکار تذکروں اور سفینوں سے حاصل کیے گئے اور جو پسند آئے انتخاب میں لے لیے گئے۔(۵)

اس اقتباس میں "دقت نظر، نگاہ انصاف، افکار اور پسند" چار ایسے نکات ہیں جو تذکرے کا مکمل معیار واضح کر رہے ہیں۔ عموما تذکروں میں لسانی معیارات اور لفظی نزاکتیں زیادہ اہم قرار پائی ہیں۔ اس ضمن میں آبرو اور قدرت اللہ قدرت کے بارے میں "نکات الشعراء" کی رائے بطور مثال ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ آبرو ایک آنکھ سے معذور تھے۔ انکی یہ جسمانی کمزوری میر تقی میرؔ کے اندر چھپے نقاد کی نظر میں آئی تو "نکات الشعراء" میں یہ جملہ لکھوا دیا "دجال صفت دنیا کی بے توجہی کے باعث اس کی ایک آنکھ بے کار ہو گئی تھی۔"(۶) قدرت اللہ قدرتؔ کے بارے میں وہ یوں رقم طراز ہوئے ہیں "اگرچہ تخلص قدرت ہے مگر عاجز سخن ہے۔"(۷)

"نکات الشعراء" کے مطالعے سے ایک طرف یہ بات کھل کر سامنے آتی ہے کہ میر تقی میرؔ کے اندر ایک بے رحم، متعصب اور انا پرست نقاد چھپا ہوا تھا تو دوسری طرف یہ بھی معلوم ہو جاتا ہے کہ شاعری خصوصاً غزل کی فنی، لسانی اور عروضی باریکیوں پر میر تقی میرؔ کڑی نگاہ رکھا کرتے تھے۔ چنانچہ میرؔ کے اندر کا نقاد اپنے عناد، انا اور تنقیدی بصیرت تینوں کے امتزاج سے کسی شاعر کی شخصیت اور کلام پر اظہار خیال کرتا ہوا محسوس ہوتا ہے۔ اپنے زاویے سے جو سچائی میرؔ کے سامنے واضح ہو جاتی اسے انہوں نے بے دھڑک پیرائیہ تحریر کر ڈالا ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں میں جہاں میر کی انانیت صاف نظر آتی ہے اور اپنے علاوہ دوسرے شعراء کو خاطر میں نہ لانے کا رجحان واضح طور پر محسوس ہوتا ہے وہاں غور کرنے والی یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ تذکرہ نویس میرؔ کا تنقیدی شعور کس طرح انکی رائے تشکیل دیتا ہے۔

اول الذکر مثال میں جہاں انہوں نے دنیا کو "دجال صفت" کہہ کر غمِ روزگار اور اسکی ستم ظریفیوں کی طرف توجہ دلائی ہے وہاں یہ نکتہ بھی دبے دبے لفظوں میں بیان کر ڈالا کہ فن پارہ اپنے سماج اور سماجی حالات کے اثرات سے قطعی طور پر مبرا نہیں ہو سکتا۔ چنانچہ سماجی حالات و واقعات شاعر کے بیرون پر جس طرح اثر انداز ہوتے ہیں کم و بیش اسی طرح اس کے اندرون پر بھی اپنے اثرات مرتب کر ڈالتے ہیں۔ ثانی الذکر مثال میں قدرت اللہ قدرت کے بارے میں "عاجز سخن" کہہ کر گویا ان کی غزل گوئی کی استعداد و صلاحیت پر تنقید کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ میرؔ کے نزدیک شاعری اور اچھی غزل کے لیے ضروری ہے کہ شاعر کے خمیر میں مادۂ شعر موجود ہو۔ بالفاظ دیگر میرؔ شاعری میں "آورد" کے قائل نہیں "آمد" کی اہمیت کے قائل تھے۔

قدیم زمانے کے تنقیدی معیار اور اس ضمن میں "نکات الشعرا" کی تنقیدی نوعیت کا ذکر ڈاکٹر جمیل جالبی نے ایک جگہ ان الفاظ میں کیا ہے:

لفظوں اور محاوروں کے استعمال میں احتیاط اور اظہار کو بہتر و موثر بنانے کی کوشش یہی اُس دور کے تنقیدی معیار تھے۔ کوئی شعر پسند آیا تو اس پر "واہ" کہہ دیا اور تعریف کر دی اور اگر اس میں کوئی لفظی سقم یا محاورہ و زبان کا غلط استعمال نظر آیا تو اس پر اعتراض کر دیا۔۔۔ فرد کے ذہن میں اچھے اور برے کے معیار پوری طرح واضح تھے۔ نکات الشعرا میں نقد و نظر کی یہی نوعیت ہے۔(۸)

"نکات الشعرا" میں عموما جن امور کو اہمیت حاصل ہوئی ہے وہی در اصل میر کے ہاں گویا تنقیدی اصول کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے "نکات الشعرا" کے حوالے سے لکھا ہے:

میر نے "نکات الشعرا" میں تنقید کے ان اصولوں پر زور دیا ہے: ربط کلام، خوش فکری، تلاش لفظ تازہ، صفائی گفتگو، ایجاز مضامین، تہہ داری، دردمندی، طرز خاص۔ (۹)

حکیم قدرت اللہ قاسم نے میر تقی میر کے بارے میں لکھا ہے کہ وہ معانی آفرین، سحر بیان، صنائع وبدائع آگین، شیریں بنی کی سلطنت کے فرمانروا ہیں۔ عابد علی عابد نے یہاں استعمال شدہ ترکیب "سحر بیان" کی وضاحت کرتے ہوئے لکھا ہے:

اردو تذکرہ نگار سحر بیانی سے انداز کی وہ صفت مراد لیتے ہیں جسے ہم Suggestion یا خیال افروزی کہتے ہیں۔ یہی وہ پر اسرار صفت ہے جس کے رموز سے تخلیقی فنکار کے علاوہ کوئی کما حقہ آگاہ نہیں ہوتا۔ (۱۰)

سبھی تذکروں میں موجود آرا بالعموم ذوقی اور تاثراتی نوعیت کی ہیں۔ تذکروں میں موجود تنقید، حالاتِ زندگی کے بیان اور کلام کے اوصاف و نقائص کے ذکر کے درمیان ضمناً اپنے وجود کی نشاندہی کرتی ہوئی نظر آتی ہے اور محض تاثرات کے بیان اور ذوقِ شعر فہمی کا حوالہ و سہارا لے کر اپنا وجود ی اور ارتقائی سفر آگے بڑھاتی ہوئی محسوس ہوتی ہے۔

لکشمی نرائن اورنگ آبادی نے اپنے تذکرے "چمنستان شعرا" میں ولی دکنی کے بارے میں لکھا ہے کہ ولی والا اقتدار شاعر اور شیریں گفتار سخن سنج ہے۔ عابد علی عابد نے یہاں استعمال شدہ ترکیب "شیریں گفتار" کے معنی ان الفاظ میں واضح کیے ہیں:

تمام تذکرہ نگار (الا ماشاء اللہ) کم و بیش شیریں کلامی اور شیریں گفتاری سے یہ مراد لیتے ہیں کہ شاعر کے اسلوب نگارش میں جمالیاتی صفات پائی جاتی ہیں۔ ان صفات میں ترنم اور نغمہ بنیادی ہیں۔ (۱۱)

میر حسن کے "تذکرہ شعرائے اردو" (۱۷۷۷ء)، نے اردو اور فارسی شعر کا موازنہ اس کی تنقیدی حیثیت میں اضافے کا سبب ہونے کے ساتھ ساتھ مجموعی لحاظ سے اردو تذکروں کی عمومی تنقیدی روش میں تجدد کا ایک اقدام بھی قرار پاتا ہے۔ اس میں تذکرہ نگار نے میر کا موازنہ شفائی سے، خواجہ میر درد کا موازنہ حافظ شیرازی سے اور شاہ واقف کا تقابل ناصر علی سے کر کے شعرائے اردو کے رنگ سخن اور طرزِ ادا پر گویا تنقیدی نگاہ ڈالی ہے اور ان شعرائے اردو کے فن و کمالات کے درست ادراک کی سعی کی ہے۔ اس نوعیت کی سعی اور تقابلی اشارات "میر آور گردیزی وغیرہ کے تذکروں میں نہیں ملتے۔" (۱۲)

فورٹ ولیم کالج اردو ادب میں سادہ نویسی کے رجحان کو فروغ دینے میں کوشاں تھا چنانچہ ڈاکٹر جان گلکرسٹ نے مرزا لطف علی سے اردو شعراء کا ایک ایسا تذکرہ لکھوانا چاہتے تھے جس کی زبان سلیس، سادہ اور آسان ہو تا کہ اس کا انگریزی میں ترجمہ کروا کر انگریزی مشنری اور تدریسی ضروریات کے حوالے سے زیادہ سے زیادہ مفید بنایا جاسکے مگر ایسا نہیں ہو سکا۔

"گلشن ہند" میں انشاء کے بارے میں مرزا لطف کی قائم کردہ رائے کی صورت حال ایسی ہی ہے۔ اس میں استعمال شدہ الفاظ و تراکیب مثلاً "ظرافت" اور "خوش اختلاطی" وغیرہ انشاء کی شخصیت، ان کے طرزِ بیاں اور مضمون کی تاثیر و تاثر سبھی امور پر روشنی ڈالتے ہیں۔ انشاء اللہ خان انشاؔ نے اس رنگ و آہنگ سے خوب استفادہ کیا جو سعادت یار خان رنگین نے ریختی میں پیدا کیا اور آزادؔ کے بقول انہوں نے اس میں موجہ سے کم سگھڑاپا نہیں دکھایا۔ (۱۳)

"خوش اختلاطی" کی دلالتی وضاحت کرتے ہوئے عابد علی عابد نے لکھا ہے کہ جرأت کی معاملہ بندی میں طرزِ ادا کی شوخی و ظرافت کا رخ محض دوسروں کی طرف ہوتا تھا جبکہ انشاء ظرافت کے ذریعے دوسروں پر بھی ہنستے ہیں اور خود اپنے اوپر ہنسنے کا موقع بھی خندہ پیشانی سے فراہم کرتے ہیں۔ اس فرق کو ظاہر کرنے کے لیے "گلشن ہند" میں لفظ "خوش اختلاطی" استعمال کیا ہے جو کہ مرزا لطف علی کی تنقیدی بصیرت کی غمازی کرتا ہے۔

انشاء کی معاملہ بندی میں جو بے تکلفی کا عنصر ہے اسے خوش اختلاطی سے منسوب کیا گیا ہے۔ ایک چھوٹا سا فقرہ ہے لیکن انتقادی اشارات سے لبریز۔[۱۴]

بحث کو سمیٹتے ہوئے یہ کہنے اور ماننے میں کسی قسم کی ہچکچاہٹ محسوس کرنے کی قطعاً کوئی منطقی حاجت نہیں کہ اردو غزل کی تنقید تذکروں کے صفحات پر ضرور اپنے وجود کا پتا دیتی ہے۔ جدید دور اور تنقید کے جدید نظریات کی خیرہ سامانی میں کھو کر تذکروں کی تنقیدی اہمیت کا سرے سے انکار کرنا یا اُن کی افادیت کلی طور پر قائل نہ ہونا یقیناً دانشمندی کا تقاضا نہیں۔ اس ضمن میں ڈاکٹر فرمان فتح پوری نے تذکروں میں تنقید کے حوالے کلیم الدین احمد کے نقطہ نظر کا حوالہ دیتے ہوئے جو موقف اپنایا ہے وہ جامع اور قرین حقیقت نظر آتا ہے ملاحظہ کیجیے:

اس وقت عربی فارسی تنقید کے محور موضوع، مواد یا معنی نہیں بلکہ ہیئت الفاظ اور علم بیان کے لوازم تھے۔ اس لیے تذکرہ نگاروں کے تنقیدی لب و لہجے کو اس وقت کے مروج معیار تنقید سے ہٹ کر دیکھنا مناسب نہ ہو گا۔۔۔ افسوس ہے کہ کلیم الدین احمد تذکروں کی تنقید کو اٹھارھویں اور انیسویں صدی عیسوی کے تنقیدی معیار کے بجائے بیسویں صدی بلکہ اپنے ذاتی معیار کی روشنی میں دیکھتے ہیں ورنہ ان تذکروں میں تنقیدی شعور کی اتنی کمی نہیں جتنی کہ انھیں نظر آتی ہے۔[۱۵]

متذکرہ بالا سطور سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ اردو غزل کی ابتدائی تنقید مشاعروں، اساتذہ سخن کی اصلاحات اور تذکرہ نویسی کے ذریعے پروان چڑھی۔

۲۔ تذکروں میں اردو غزل کی تنقید کے حوالے سے جو فنی اصطلاحات، الفاظ وتراکیب اور اسلوب نگارش حتی کلام کو پرکھنے کے جو معیارات و موازین اپنائے گئے اُن پر فارسی تذکرہ نویسی کی گہری چھاپ نمایاں طور پر نظر آتی ہے۔

۳۔ تنقید کی جو صورت تذکروں میں سامنے آئی ہے وہ تاثراتی و ذوقی ہونے کے ساتھ ساتھ تذکرہ نویس کی ذاتی پسند و ناپسند پر مشتمل ہے۔

۴۔ تذکروں میں شاعر کے فکر و خیال، جذبہ و احساس اور سماجی و سیاسی و معاشی حالات و تغیرات میں کارفرما عوامل و اسباب کے فنی و تخلیقی ادراک و اظہار کی نوعیت و کیفیت کو اُس اہمیت و نظر کے ساتھ دیکھنے کا رجحان نظر نہیں آتا جو جدید تنقید کا ایک نمایاں اور اہم پہلو و منصب شمار کیا جاتا ہے۔

۵۔ جدید تنقیدی زاویوں، معیارات اور نظریات کے مقابلے میں تذکروں میں موجود تنقیدی اشارات یقیناً محدود پیمانے، محدود جغرافیہ اور محدود حاسہ نظر کے حامل ہیں۔

۶۔ تذکروں میں اردو غزل کی تنقید کے اصول و معیار کے خط و خال محض علم و بیان و بدیع و معانی پر انحصار تو کرتے ہیں لیکن مضمون، فضابندی اور خیال بندی سے مکمل بے اعتنائی نظر نہیں آتی۔ آج علم معانی و بیان اور علم بدیع کی اصطلاحات جانے بغیر ان تذکروں میں استعمال شدہ اصطلاحات اور ان کی تنقیدی قدر و قیمت کا علم نہیں ہو سکتا۔

۷۔ تذکروں میں موجود تنقیدی اصطلاحات و اشارات کو اٹھارھویں اور انیسویں صدی عیسوی کے تنقیدی معیار اور ادبی صورت حال و موازین کو پیش نظر رکھ کر دیکھا جائے تو ان تذکروں میں تنقیدی شعور کی اتنی کمی نظر نہیں آتی کہ اس کے وجود کا سرے سے ہی انکار یا نفی کی جائے۔

حوالہ جات

۱۔ سید قائم رضا نسیم، سید مرتضیٰ حسین، جامع نسیم اللغات اردو، غلام علی اینڈ سنز، لاہور، س ن، ص ۳۰۵

۲۔ انور سدید، ڈاکٹر، اردو ادب کی مختصر تاریخ، طبع سوم، عزیز بک ڈپو، لاہور، ۱۹۹۸ء، ص ۱۷۲

۳۔ عابد علی عابد، پروفیسر، اصول انتقاد ادبیات، سنگ میل پبلی کیشنز، لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۱۴۸

۴۔ ایضا، ص ۲۴۶

۵۔ شیفتہ، نواب مصطفی خان، دیباچہ، نفیس اکیڈمی، کراچی، طبع اول ۱۹۶۳ء، ص ۷

۶۔ محمد تقی، میر، نکات الشعراء، مرتبہ: شیروانی، نظامی پریس، بدایوں، ۱۹۲۲ء، ص ۳۵

۷۔ ایضا، ص ۳۹

۸۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع پنجم ۲۰۰۷ء، ص ۵۳۶

۹۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۲ء، ص ۸۳

۱۰۔ عابد علی عابد، پروفیسر، اصول انتقاد ادبیات، ص ۲۴۷

۱۱۔ ایضا، ص ۲۴۲

۱۲۔ جمیل جالبی، ڈاکٹر، تاریخ ادب اردو، جلد دوم، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع پنجم ۲۰۰۷ء، ص ۵۳۹

۱۳۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، ارسلان بکڈپو، سن، ص ۳۲۸

۱۴۔ عابد علی عابد، اصولِ انتقاد ادبیات، سنگ میل پبلی کیشنز لاہور، ۲۰۰۶ء، ص ۲۴۶

۱۵۔ فرمان فتح پوری، ڈاکٹر، اردو شعرا کے تذکرے اور تذکرہ نگاری، مجلس ترقی ادب، لاہور، طبع اول ۱۹۷۲ء، ص ۸۲